محمد بن سعود اس کے حلقہ میں شامل ہوا جس نے بعد میں ترقی بھی کر لی اس کے بعد اس کا لڑکا عبد العزیز جانشین ہوا، اسی اثنا میں محمد بن عبد الوہاب دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (۱۷۹۲ء) عبد العزیز کے بعد اس کا لڑکا سعود ۱۸۱۴ء تک حکمران رہا بعد ازاں اس کا لڑکا عبد اللہ حاکم بنا، حتیٰ کہ چار سال بعد ۱۷ دسمبر ۱۸۱۸ء کو نہ صرف یہ سلطنت ختم ہوئی بلکہ اس خاندان کا ایک ایک فرد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور بقول ہنٹر یہ عظیم الشان سلطنت جس معجزانہ طور پر منصہ شہود پر آئی تھی اسی معجزانہ طور پر ریت کے صحرائی ٹیلوں کی طرح غائب ہو گئی۔ (ہندوستانی مسلمان)

سلطنت نجد ۱۸۱۸ء میں ختم ہوئی سید صاحب ۲۳-۱۸۲۲ء میں مکہ معظمہ گئے، جیسا کہ ہنٹر کو بھی اعتراف ہے۔ (ص ۶۷) تو چار پانچ سال بعد اس تحریک (نجدی تحریک) سے کیسے متاثر ہوئے اور کیونکر عظیم سلطنت کے خواب دیکھے ۔۔۔؟ دیکھیں انگریزوں کی عبارتیں اور پھر پڑھیں ۔۔۔۔ ع
دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ ہنٹر لکھتا ہے: ۲۳-۱۸۲۲ء میں امام صاحب (سید صاحب) کے مکہ تشریف لے جانے پر اس عام فہم اصلاحی عقیدہ کو وسعت دی گئی اور باقاعدہ طور پر ترتیب دیا گیا، انہوں نے اس مقدس شہر میں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز دیکھا جس کا بانی صحرا کا ایک بدو تھا اور جو ان کے عقائد کے مطابق تھا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۶۷) آخری جملہ جو ان کے عقائد کے مطابق تھا کس قدر غلط ہے کہ اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں، کیونکہ شاہ ولی اللہؒ اور نجدیوں کے نظریات کے بعد المشرقین سے اہل علم واقف ہیں۔ بانی تحریک کا بانی ۱۷۹۲ء میں دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اسکی حکومت ۱۸۱۸ء میں برباد ہو گئی، لیکن بقول ہنٹر تحریک کا آغاز تھا کب ۲۳-۱۸۲۲ء میں ۔۔۔؟ ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

اس سے زیادہ مؤرخانہ ژرف نگاہی ملاحظہ فرمائیں:

"ان کے خوابوں نے ایک آتشیں وجد کا جامہ پہن لیا اور وہ دیکھنے لگے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہر ضلع میں ہلالی پرچم گاڑ رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات میں جتنی غیر مبہم باتیں تھیں انہوں نے اسی قسم کی ٹھوس صورت اختیار کر لی جس کی وجہ سے عبد الوہاب (یا محمد بن عبد الوہاب) نے عرب میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی تھی اور سید احمدؒ کو یقین تھا کہ یہ اصول انہیں ہندوستان میں اس سے بھی زیادہ مضبوط سلطنت قائم کرنے میں مدد دیں گے۔"

جو سلطنت بقول ہنٹر ۱۸۱۸ء میں ریت کے صحرائی ٹیلوں کی طرح دب گئی تھی وہ ۲۳-۱۸۲۲ء میں بھی عظیم الشان ہے۔ ع دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ سچ کہا گیا ہے۔

ایک قدم اور آگے چلیں اور دیکھیں کہ ہنٹر صاحب کیسے کڑیاں ملاتے ہیں:

"نیز تحریک کو منظم کرنے اور جہاد کا جذبہ مجاہدین میں اس وقت پیدا ہوا جب وہ (سید احمدؒ) حج کرنے گئے اور وہاں (مکہ میں) انہوں نے نجدیوں کے وہابیوں (محمدیوں) سے ملاقاتیں کر کے ان کے پیغام اور تعلیمات کو سمجھا اور ان سے ساز باز کی۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

اے کاش! ہنٹر صاحب بتاتے کہ یہ ملاقات کہاں ہوئی، عالمِ ارواح میں یا کسی دوسری جگہ؟ اور رہ گئی ساز باز تو ہنٹر صاحب کیلئے یہ الزام معمولی ہے، پوری کتاب ان مجاہدین اسلام کے خلاف یاوہ گوئی سے بھری ہوئی ہے یہ کہہ لیا تو کیا ہوا --؟ پھر ساز باز کس سے کی --؟ جن کے خاندان کا بچہ بچہ تہہ تیغ ہو چکا تھا۔ ان سے --؟ خاص طور پہ نوجوان پود سے میری گذارش ہے کہ خدارا تضاد بیانیوں کو دیکھیں اور ذرا سوچیں کہ یہی تحقیق و ریسرچ ہے --؟ یہی دیانت و صداقت ہے --؟ جس کا مظاہرہ ہنٹر کر رہا ہے۔

الغرض سید صاحبؒ اور ان کی پارٹی کا کسی طرح بھی نجدیوں (وہابیوں یا محمدیوں) سے کوئی تعلق نہیں اور امید ہے کہ یہ مختصر تحریر حقائق کو سمجھنے میں مدد دے گی۔ رہ گیا تعصب اور ضد، اس کا علاج ہمارے پاس کوئی نہیں۔ اور متعصبین و ہٹ دھرم حضرات کی آنکھیں روزِ محشر ہی کو کھلیں گی۔ بطور تکملہ اتنی بات عرض کر دوں کہ مرزا حیرت دہلوی (مصنف حیات طیبہ سوانح شاہ محمد اسمٰعیلؒ) اپنی ذہنی ساخت کے سبب نجدیوں سے زیادہ قریب ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اس چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں رائی بھر صداقت نہیں۔ (دیکھیں حیات طیبہ)

وہابی اور غدار مترادف الفاظ ہیں۔ لکھنے والے ہنٹر کا ایک اور حوالہ سنیں پھر بحث ختم۔

--- ایک وہابی کے سامنے ایک ہی چیز ہے، اور وہ یہ کہ دینِ محمدیہ کی تطہیر کا عظیم الشان کام سرانجام دیا جائے اس راستے پر گامزن ہوتے ہوئے وہ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی پر رحم کھاتا ہے۔

(ہمارے ہندوستانی مسلمان)

گویا بقول ہنٹر وہابی انگریز کا غدار اور دینِ محمدی کا خادم ہے۔ اگر یہ تعریف درست ہے تو پھر اس خانوادہ مقدس کو اس پر فخر ہے۔ اور اگر وہ تعریف ہے جو ہنٹر کی معنوی اولاد کہتی ہے یعنی دشمنِ رسول (جیسا کہ ٹیپو شہیدؒ کے ضمن میں گذرا) تو ہم اس سے بری ہیں۔ اور اس کے بعد یہ بے دلیل جھک مارنے والے اللہ کے یہاں اپنا انجام سوچ لیں۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

--- (باقی آئندہ) ---

مولانا غلام محمد صاحب بی اے - کراچی

حضرت شیخ الشیوخ العباسی مدنی قدس سرہٗ

اس دنیا میں جو بھی آیا وہ بلاشبہ جانے ہی کیلئے آیا۔ مگر کسی کسی کا جانا کس قدر الم انگیز بلکہ روح فرسا ہوتا ہے۔ ابھی کچھ ہی عرصہ کی بات ہے کہ شیخ الشیوخ حضرت مولانا عبدالغفور العباسی مہاجر مدنی کا نام لیتے ہوئے دل میں ایک سرور اور روح میں تازگی کی کیفیت محسوس ہوتی تھی اور دل کو بڑی ہمت اس بات سے حاصل رہتی تھی کہ اس دور ظلمانی میں ایک ہستی تو ایسی ہے جس کا دماغ علوم ربانی سے روشن اور جس کا دل معرفت الٰہی کا مخزن اور جس کا خلق اخلاق نبویہ کا عکس لئے ہوئے ہے جس کو جوار نبوی میں قیام کی سعادت ہی حاصل نہیں بلکہ وہ اس مرکز روحانی میں بیٹھ کر اکناف عالم میں توحید اور اتباع سنت کے انوار کی ضیاباری کی سعادت پا رہا ہے۔ ہم نام نہاد اسلاف کے طریق پر چلنے والوں کو بڑی تقویت انکی ذات سے حاصل تھی کہ اگر کوئی پوچھے کہ اسلاف کا کوئی نمونہ تمہارے پاس اس وقت بھی موجود ہے تو بلا تامل ہم نشاندہی ان کی طرف کر سکتے تھے اور اور اس یقین کے ساتھ کہ ان کو دیکھ کر کوئی شخص ہمارے دعوے کو جھٹلا نہ سکے، مگر افسوس کہ وہ رحلت فرما گئے، اور ان کے جانے سے روحانی عالم میں سناٹا سا چھا گیا ہے۔ اہل باطن کے دل پژمردہ سے ہو گئے۔

راقم عاجز کو اپنی عمر کے اعتبار سے بڑے بڑے بزرگوں کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور مختلف سلاسل و طرق کے اہل کمال کی زیارت کا موقع ملا ہے مگر "وسعت فیض" کے اعتبار سے حضرت مولانا ممدوح کی نظیر نہیں دیکھی اور نہ اس دور میں کسی نے بھی دیکھی ہوگی، ان کا فیض کل بلاد اسلامیہ میں پھیلا ہوا تھا اور پاکستان جو ان کا پہلے ہی سے وطن تھا، انکی توجہ کا خاص مرکز تھا، وہ فیض رسانی

میں بڑے حریص تھے اور اس کا برملا اظہار بھی فرماتے تھے، سفر و حضر میں اخذ بیعت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ایک مرتبہ راقم حقیر نے عرض کی کہ "حضرت دوران سفر ایسے لوگوں کو بیعت فرماتے ہیں جن سے ملنے کی دوبارہ توقع تک نہیں ہوتی، ایسی بیعت سمجھ میں نہیں آتی۔" ـــــ فرمایا: میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہادیٔ مطلق اللہ تعالیٰ ہیں، اور وہی رہبری فرماتے ہیں۔ میں تو صرف بیعت توبہ کراتا ہوں کہ اس وقت کیلئے تو وہ شخص تائب ہوگیا، اب خواہ مجھ سے نہ ملے مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے کسی اور کو ہدایت کا سبب بنادیں گے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

"یہ جو سینکڑوں ہزاروں مرید ہوجاتے ہیں، یہ سب طالب طرق تھوڑے ہیں ان میں سے صرف اکّا دُکّا سچا طالب نکل آتا ہے، باقی یہ بھی غنیمت ہے کہ یہ لوگ فرائض کے پابند ہوجاتے ہیں، ڈاڑھیاں چھوڑ لیتے ہیں۔"

حضرت مولانا اللہ کے بڑے محبوب تھے، اور محبوبیت کا اثر ان کی ایک ایک ادا سے اور ان کے قال اور حال سب سے نمایاں تھا، وہ جہاں بیٹھتے شمع محفل نظر آتے، ان کی باتیں دل میں اترتی تھیں، ان کے چہرۂ پُرنور کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر دل کا رُخ اسفل سے اعلیٰ کیطرف، دنیا سے آخرت کی سمت ہوجاتا تھا، اور حوصلہ اتنا بلند ہوجاتا کہ مقصد تمنّا ذات حق بن جاتی تھی۔

حضرت مولانا سلوک نقشبندیہ کے واسطہ سے اس مقام رفیع پر پہنچے تھے اس لئے نقشبندیت کے ساتھ ان کی منوبیت کا تعلق ناگزیر تھا، اور اسی نسبت سے انکا شہرہ لازمی تھا۔ مگر ایسے مرتبۂ کمال پر پہنچ کر کوئی بھی ہو فرق سلاسل سے بالاتر اور جامع طرق بن جاتا ہے، حضرت مولانا طریق نقشبندی تھا۔ مگر ان کا سینہ سوز چشتیہ کا بھی مجمر سوزاں تھا، ایک مرتبہ اسی کراچی میں ایک عالم بزرگ نے الاکل شئ ما خلا اللہ باطل کا مصرعہ پڑھدیا خود ہی اور اسکی کچھ توضیح بھی کی تو پھر حضرت کی طبیعت جوش زن ہوگئی اور اس پر جو اضافہ فرمایا وہ اس قدر پُرسوز اور صحیح "وجودی" رنگ کا تھا کہ جس نے یہ ساز چھیڑا تھا، وہ خود بھی وجد میں آگیا اور جہاں تک احقر کو یاد ہے، اسی بات پر وہ حضرت سے بیعت بھی ہوگئے۔

ہر بزرگ کو اپنے اکابر میں سے کسی نہ کسی بزرگ سے خصوصی تعلق ہوجاتا ہے، احقر کو خوب معلوم ہے، اور حضرت کی زبانی بھی تصدیق حاصل کی ہے کہ ان کو امام شعرانی سے گہرا ربط

ذہنی و روحانی حاصل تھا، اور جاننے والے جانتے ہیں کہ امام شعرانی طریقت میں کس ذوق کے بزرگ تھے۔

معاصر بزرگوں میں وہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کے بے حد معترف تھے، گو مولانا کو ان کی زیارت کا موقع نہیں ملا تھا، احقر سے اور حضرت محترم ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہٗ (خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ) سے فرمایا کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر حضرتؒ کی ملاقات کیلئے تھانہ بھون کا سفر کیا تھا، وہ اس صدی کے مجدد تھے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کے ایک اور خلیفہ حاجی شفیع الدین صاحب نگینوی مہاجر مکیؒ کی زیارت مولانا نے مکہ معظمہ میں کی تھی، احقر سے فرمایا کہ: حاجی شفیع الدین صاحب کی شخصیت اس قدر نورانی تھی اگر میں اپنے شیخ سے بیعت نہ ہوتا تو انہیں سے بیعت ہوتا۔ اور فرمایا کہ: انہوں نے میرے حال پر بڑی شفقت فرمائی، اور مکہ معظمہ میں میں نے دو خواب دیکھے —— ایک تو یہ کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا حلقۂ درسِ حدیث ہے، میں بھی اس میں شریک ہوں، ختمِ درس پر حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ آؤ میرے ساتھ طواف کرو، چنانچہ میں نے خانہ کعبہ کا طواف حضرت مولانا کیساتھ کیا اور اس میں عجیب کیف ملا۔

دوسرا خواب یہ دیکھا کہ ایک بہت بلند پہاڑ پر چڑھ کر جب میں اوپر پہنچا تو وہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ لیٹے ہوئے تھے، میں نے حضرت کے پاؤں دبانے شروع کئے، ایسے میں دیکھا کہ آسمان سے دو طشتریوں میں حلوہ اترا، ایک میرے لئے اور ایک حضرت کیلئے، میں نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت کو حلوہ میں کھلاؤں گا، چنانچہ میں نے ہی کھلایا۔۔۔۔ آنکھ کھلنے پر تعبیر ذہن میں یہ آئی کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے سلسلہ کی خدمت کچھ مجھ سے بھی ہوگی، اور یہ کہ مجھے ان اکابر کے فیوض سے بھی حصہ ملا ہے"۔

خیر یہ سب باتیں تو ان کی یاد کے ساتھ یاد آگئیں، ورنہ ارادہ تو یہی تھا، اور جی بھی یہی چاہتا ہے کہ ان کے تمام کمالات میں سب سے زیادہ اہمیت ان کے "خلقِ کریمانہ" ہی کو دی جائے۔ اور اسی کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، کیونکہ اسی کا قحط عوام ہی میں نہیں بلکہ خواص تک میں آج عام ہے، حضرت مولانا نہایت کریم النفس، فیاض دل، کشادہ دست، ایثار پیشہ انسان تھے، ان کا دسترخوان نہایت وسیع تھا، حج کے زمانہ میں دیکھا کہ زائرین مدینہ طیبہ کی ضیافت وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، ان دنوں میں پچھتر اور سو ریال تک کا سودا روزانہ مولانا کے ہاں